سورة الملک

اسے سورۃ تبارک اور المنجیة بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ عذاب قبر سے نجات دیتی ہے جیسا کہ حاکم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن میں ایک ایسی سورۃ ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرتی ہے یہاں تک اسے جنت میں داخل کروائیگی یعنی تبارک۔طبرانی نے الاوسط میں نقل کیا ہے کہ تیس آیتیں ہیں اور ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ مکی ہے۔اور المانعه ہے اس لئے کہ یہ عذاب قبر سے روکتی ہے۔اور المجادلہ ہے (یعنی جھگڑالو ہے) اس لئے کہ قیامت کے دن یہ اپنے رب کے پاس اپنے قاری کے لئے جھگڑا کرے گی اور اس کے لئے پروردگار سے مطالبہ کرے گی کہ اسے عذاب النار سے نجات دیں اور اس کے ذریعہ پڑھنے والا عذاب قبر سے نجات پائے گا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) **تَبٰرَكَ الَّذِیْ** (ترجمہ:۔ برکت والا ہے وہ جو) برکت باب تفاعل سے ہے اور اس کے معنی ہیں زیادتی اور بڑھوتری اور بعض نے کہا تبارک کے معنی ہیں **تعاظم عن كل المخلوق بذاته وصفاته وافعاله**۔یعنی اللہ کل مخلوقات سے اپنی ذایت وصفات اور افعال میں عظمت والا ہے۔اور یہ کہا گیا ہے کہ دَامَ یعنی اس کی ابتداء ہے نہ اس کی انتہا ہے۔اور بعض نے کہا تقدس اس صورت میں یہ صفات سلبیہ میں سے ہے۔**بِيَدِهِ الْمُلْكُ** (ترجمہ:۔جس کے قبضہ وقدرت میں ملک ہے) یعنی اس کی قدرت میں اس لئے کہ ''ید'' قدرت کا مجاز ہے۔اور الملک سے آسمان وزمین دنیا وآخرت ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے اس سے مراد امر ونہی ہے۔**وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ** (ترجمہ:۔اور وہ ہر شئے پر قادر ہے) یعنی تمام ممکن پر اس لئے کہ امکان ہی قدرت کا صحیح ثابت کرنے والا ہے۔لہذا اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ معدوم شئے ہوتا ہے۔اور اللہ اس پر قادر ہے نیز یہ بھی اعتراض دفع ہوگیا جو جہم بن صفوان نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ شئے نہیں ہے۔اگر شئے ہوتا تو اپنے نفس پر بھی قادر ہوتا ہے حالانکہ وہ محال ہے۔پس اس کا شئی ہونا جائز نہیں۔میں یہ جواب دیتا ہوں کہ شئی کا اطلاق اللہ پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا **قل ائی شئی اکبر شهادة قل الله شهيد** (الانعام ۱۹) کبھی کبھار شئے کا اطلاق ''الممکن'' پر بھی ہوسکتا ہے۔جیسا کہ اللہ نے فرمایا **وهو على كل شئی قدير** یعنی **على كل ممكن** اور **قدير** سے مراد قادر اور مختار ہے اور **قدير** قادر میں مبالغہ ہے۔یعنی وہ ایجادات مقدورات پر قادر ہے اور کوئی اسے اس سے روکنے والا نہیں ہے۔یہ جملہ صلہ پر معطوف ہے۔اس کے مضمون کے لئے مقرر ہے۔جو اشیاء کی ایجادات اور ان کے حقائق میں اس کے احکامات کے جاری رہنے کا اور جیسا چاہے کرنے کا فائدہ دیتی ہے۔

(۲) **الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ** (ترجمہ:۔جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا) موت کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض نے کہا کہ یہ صفت وجودیہ ہے اور حیات کی ضد ہے۔کیونکہ یہ حیات کو زائل کرتی ہے اور اسے فنا کر دیتی ہے۔اور

بعض نے کہا یہ صفت عدمیہ ہے اس لئے کہ حیات کو معدوم کر دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے وجود (میں آنے) کے بعد اس کا عدم (ہو جانا) اس کے معدم (معدوم کرنے والا) کے بغیر جائز نہیں ہے۔ پس اعدام اس کا فعل ہے۔ اور شئے کا عدم اس کا اثر ہے اگر موت عدمی صفت ہوتی تو لازم آتا ہے کہ وہ اللہ کے فعل سے متعلق ہو پھر تو وہ اللہ کی مخلوق بن جائے گی تو آپ غور و فکر کریں۔ موت کو حیات پر مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا عدم سے تعلق ہے جو کہ وجود پر مقدم ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد نطفہ ہے اور حیات سے مراد روح ہے اور نطفہ روح پر مقدم ہے اس لئے کہ وہ اس سے متعلق ہوتا ہے رحم میں استقرار کے بعد اور یہ بھی کہا جاتا ہے اس کے معنی ہیں اللہ نے موت کو دنیا میں پیدا کیا اور حیات کو آخرۃ میں کیونکہ وہاں موت نہیں ہے اور وہ دار الحیاۃ ہے۔ نسفی نے کہا ہے کہ حیات اسے کہتے ہیں جس کے وجود سے احساس ہونا درست ہوتا اور یہ ایسا نہیں ہے جیسا چاہئے کیونکہ حیات بغیر احساس کے بھی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ حالتِ سکتے میں ہوتا ہے بلکہ یہ وہ صفت ہے جس سے موصوف کا جاننا اور قادر ہونا ممکن ہوتا ہے اور یہی متکلمین کا بھی نظریہ ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ نے موت کو کبشِ املح (سیاہ و سفید مینڈھے) کی صورت میں بنایا ہے۔ اور وہ جس کسی چیز سے بھی گزرتا ہے اور جو بھی کوئی شئی اس کی بو سونگھ لے تو وہ مر جاتی ہے۔ اور حیات کو ابلق گھوڑے کی صورت میں پیدا فرمایا ہے جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ہے وہ جس کسی چیز کے قریب گزرتا ہے اور جو شئے اس کو پالیتی ہے تو وہ جی اٹھتی ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ سب تمثیل و تصویر کے طور پر ہے۔ میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں وجودی امر ہیں جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔ **لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ** (ترجمہ:۔ تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون) اللہ کے نزدیک۔ **اَحْسَنُ عَمَلًا** (ترجمہ:۔ زیادہ اچھا ہے عمل کے اعتبار سے)۔ بلاء کے معنی ہیں اختبار' پرکھنا' آزمانا۔ الف اور لام مضاف الیہ کا عوض ہیں یعنی تاکہ تمہارے ساتھ ایسے آدمی کا معاملہ کرے جسے آزمایا جائے کہ تم سے کون ہے عمل میں بہتر۔ پھر وہ تمہارے اعمال کے تفاوت کے اعتبار سے تمہیں جزا دے۔ زجاج نے کہا کہ یہ 'لام' حیات کی تخلیق سے متعلق ہے' موت کے تخلیق کے متعلق نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ اللہ کے قول خلق سے متعلق ہے' نہ خلق حیات سے اور نہ ہی خلقِ موت سے متعلق۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا **وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون** (الذاریات ۵۶) پس **ليعبدون** میں لام **خلقت** سے متعلق ہے۔ اور فراء نے کہا کہ **ليبلوكم** کا قول اَیُّ پر واقع نہیں ہوا کیونکہ **ليبلوكم** اور ای کے درمیان اضمار فعل ہے۔ جیسا کہ آپ کہتے ہیں **بلو تكم لا تظرنكم اطوع** (میں نے تمہارا امتحان لیا تاکہ دیکھوں کہ کون زیادہ اطاعت گذار ہے) اسی طرح اللہ کا یہ قول ہے **سلهم ايهم بذالك زعيم** (القلم ۴۰) یعنی **سلهم ثم انظر ايّهم** اس آیت میں **ايّكم** متبداء ہے۔ اور **احسن** اس کی خبر ہے کیونکہ استفہام میں ماقبل عمل نہیں کرتا۔ صاحب الکشاف نے کہا کہ **ليبلوكم** کے معنی ہیں **ليعلمكم** اور تقدیر یہ ہوگی **ليعلمكم ايكم احسن عملاً**۔ پھر اس نے فراء کا قول دہرایا ہے **احسن عملاً** کے معنی میں کئی وجوہات ہیں اول یہ کہ احسن الاعمال کے معنی ہیں کون سب سے زیادہ مخلص اور سب سے زیادہ درست۔ دوم قتادہ نے کہا رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا **ايكم احسن عقلا** پھر فرمایا **ايكم عقلا اشد كم لله خوفا واحسنكم فيما امر الله به ونهى عنه نظرا**. اور تیسری وجہ ہے یہ کہ حسن سے مروی ہے کہ اس کے معنی ہیں **ازهد فى**

الدنیاو اشدّ تر کا لھا ہے۔ دنیا میں سب زیادہ زاہد شخص اوراس کو چھوڑنے میں سب سے زیادہ شدید۔ میں کہتا ہوں کہ بہترین اعمال میں سے ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت خلوص نیت اور ضمیر کی سچائی کے ساتھ اس طور پر کہ اس کے دل میں انوار وحدانیت کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔اوراس کا بیان یہ ہے کہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے احسان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ پا رہا ہے تو وہ بہرحال تجھے دیکھتا ہے۔اور اول (ان تعبدالله كانك تراه) سے مراد شهود الا لوهية فى عين العابد وافاضة تجلياتها (عابد کی آنکھوں میں الوہیت کا مشاہدہ اور قلب میں اس کی تجلیات کا جلوہ گر ہونا) اور یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے اس کے اوپر کوئی مرتبہ نہیں سوائے مرتبہ شہود ذاتی کے۔اور دوسری (فان لم تكن تراه فانه يراک) سے مراد عابد کا اللہ کے مشاہدہ کا تخیل کرنا اوراس پر دوام' کہ تمام گناہ نافرمانیوں' اور فانی لذات سے اس کے اجتناب اور لذات باقیہ کی طرف توجہ کی علت ہوگا۔اور اسے تمام رغائب اور چاہتوں سے منقطع کر کے اللہ کی طرف متوجہ کر دے گا اور اس مقام پر آنے کے بعد عابد کے دل میں اللہ کے علاوہ کوئی اور خطرہ باقی نہیں رہتا پھر وہ جب اس سے ترقی کرتا ہے تو اللہ کے انتہائی قرب پر پہنچ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے انوار قرب کے اندر حقیقی طور پر مخفی ہو جاتا ہے جس کا ارباب شہود ذکر کرتے ہیں اور اپنی ذات کو اس کی ذات میں فنا کر دیتا ہے جس کا ذکر اصحابِ وجود کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی ذات میں فانی اور اللہ کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ اول مقام اخص الخواص کا ہے اور دوسرا مقام اولیاء کے خواص کا ہے اور میرے نزدیک احسن الاعمال کے یہی معنی ہیں۔اوراس جیسی عبادت کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا سوائے اس کے کہ جس نے دنیا سے منہ موڑا ہو اور اس کو ترک کر دیا ہو اور اللہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابتلاء غرض کے بغیر نہیں ہوتی حالانکہ اللہ کے افعال اغراض سے معلل نہیں ہوتے تو پھر اس کا کیا جواب ہے۔امام رازی نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ فی نفسہ فعل ابتلاء نہیں ہے مگر یہ کہ وہ ابتلاء کے مشابہ ہے لہذا اسے مجازاً ابتلاء کہا گیا ہے۔اوراگرچہ فی نفسہ غرض بھی نہیں ہے۔ پھر بھی حرفِ غرض بیان کیا گیا ہے اور حقیقتاً اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تمام امور کائنہ کا جاننے والا ہے۔اور وہ جانتا ہے کہ کون اس کی اطاعت اور کون اس کی معصیت کرے گا۔ (اس کی معصیت واطاعت کے وجود میں آنے سے پہلے ہی) اس عتبار سے ابتلاء کا مقصد ہے ملاحظہ اجمالیہ کے مطابق تفصیلی ملاحظہ اور وہ تفصیلی ملاحظہ آزمائش کی طرح ہے مطیع وعاصی کے لئے۔**وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ** (ترجمہ:۔اور وہ زبردست ہے بہت بخشنے والا ہے) یعنی وہ تمام مقدورات پر غالب ہے اور الغفور ہے اس شخص کے لئے جس نے عمل صالح کو شر وفساد سے مخلوط کر دیا ان برائی یا نافرمانی کرنے والے لوگوں میں سے جس نے توبہ کی ان کی مغفرت کرنے والا ہے۔

(۳) **الَّذِىْ** (ترجمہ:۔جس نے) یعنی وہ العزيز القدير جس نے **خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا** (ترجمہ:۔ پیدا کیا سات آسمانوں کو اوپر تلے) یعنی طباق والے آسمان (تہہ بہ تہہ) بقاعی نے کہا ہے کہ طباق کا مطلب ہے کہ اس کا ہر جز و دوسرے ہر جز و کے مطابق ہو اور کوئی بھی جز و اس سے خارج نہیں ہے اور اس نے ہمارے اوپر اپنی قدرت وارادے سے فضائے بسیط میں بغیر ستونوں کے قائم فرمایا ہے اور ہر فلک ایسا ہی ہے اس کے باوجود اس کا ہر جز و معینہ خصوصیات رکھتا ہے جو حوادث کا سبب بنتے ہیں کیونکہ اللہ نے

اس کے ہر جزو کو معینہ حرکت' تیز رفتاری یا سست رفتاری سے مخصوص کردیا ہے۔۔ **مَاتَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ** (ترجمہ:۔تو رحمٰن کی صفت (تخلیق) میں کوئی خلل نہ رکھے گا) حمزہ اور کسائی 'تفوّت پڑھا جبکہ باقی لوگوں نے تفاوت۔ جیسے **تعاهد وتعهد** 'تجامل وتحمل۔فراء نے کہا وہ ایک ہی درجہ میں ہیں۔اور اخفش نے کہا تفاوت زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ عرب **تفاوت الامر** کہتے ہیں تفوت نہیں کہتے۔ابوعبیدہ نے تفوّت کو اختیار کیا اور اسی میں سے لفظ تفاوت بھی ہے جو تاکید کے لئے ہے۔ امام رازی نے کہا تفاوت سے مراد عدم تناسب ہے اور ابن عباسؓ نے کہا تفاوت کے معنی ہیں تفرق۔اور ثعلب نے کہا اس کی اصل فوت ہے وہ ہے کسی چیز کو کسی چیز کے خلل سے زائل کردینا اور کہا جاتا ہے اس کے معنی ہیں تیڑھ اور کہا جاتا ہے کہ تناقص۔اور تفاوت کی تفسیر میں سب سے عمدہ قول یہ ہے کہ صورت کے اعتبار سے عدم تناسب یعنی **صورة** جزاء الجسم کے اعتبار سے۔پس ہر چیز جو اللہ نے بنائی ہے وہ تناسب سے خالی نہیں ہے۔اور بعض ادباء نے کہا۔

تناسبت الاعضاء فيه فلا ترى بهن اختلافا بل اتين على قدر

ابوحیان نے بھی بیان کیا اور کہا ہے کہ ابوزید نے العربی سے حکایت کی ہے کہ تفاوت کے 'واؤ' پر پیش' زیر اور زبر بھی ہے لیکن زبر اور زیر شاذ ہے۔میں کہتا ہوں کہ یہ کہنے والوں کی طرف سے ہے۔اور مخاطب اس میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔یا ہر وہ شخص جو آسمانوں کی تخلیق میں فکر کرتا ہو۔معنی یہ ہیں کہ اللہ نے آسمانوں کو ایسے انوکھے اور مضبوط طور پر پیدا فرمایا ہے کہ اس میں کسی بھی اعتبار سے تفاوت نہیں ہے۔ **فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ** (ترجمہ:۔پس نظر اٹھا) یعنی نظر پھرا پھرا کے دیکھ **هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ** (ترجمہ:۔کیا کہیں تجھ کو خلل نظر آتا ہے۔) الفطر کے معنی ہیں الشق اور اسی کی جمع فطور ہے۔اور اسی کے معنی میں ثعلب نے کہا۔

شققت القلب ثم ذررت فيه هواک فليم فالتام الفطور

اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اتنا زیادہ قیام کیا کہ آپ کے قدم پھٹ گئے۔(**حتی تفطرت قد ماه ای انشقتا**) اور اسی معنی کو شاعر نے اس طرح رقم کیا ہے

بنی لكم بلا عمد سماء وسوّاها فما فيها فطور

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہا **الفطور** یعنی **الوهی** (کمزوری)

(۴) **ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ** (ترجمہ:۔پھر بار بار نظر اٹھا) دوبارا ایک کے بعد دوبارہ رجوع کر **يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا** (ترجمہ:۔تری طرف نگاہ ناکام ہوکر لوٹے گی) جمہور نے **ينقلب** کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔لیکن خوارزمی نے کسائی کی روایت سے یا کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔یعنی **فينقلب** میں ''فا'' کو حذف کردیا یا کہ یہ خیال مقدرہ کی جگہ ہے اور معنی میں **خاسئا صاغرا ذليلا** ۔**وَّهُوَ حَسِيۡرٌ** (ترجمہ:۔اور وہ درماندہ ہوگی) یعنی تھکی ہوئی کچھ بھی نہ دیکھ رہی ہو۔زجاج نے کہا یعنی آسمان میں خلل دیکھنے کی طرف سے درماندہ۔اور یہ فعیل بمعنی فاعل ہے حسیر سے۔ **حسر بصره يحسر حسورا** یعنی تھک گئی منقطع ہوگئی اس کی نظر طویل فاصلے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔پس وہ حسیر ہے۔محسور ہے۔قیس بن خویلد ھزلی (اپنی اونٹنی کی تعریف میں) کہتا ہے

ان العسیر بها داء مخامر ها فشطر ها نظر العینین محسور

یہاں عسیر کے معنی ہیں اونٹنی جو ناخوش ہو۔اس میں شطر کو منصوب کیا گیا ہے ظرفیت کی وجہ سے جس کے معنی ہیں نحوها (اس جیسا یا اس کی طرف) اور محسور یعنی کلیل (تھکا ماندہ) فراء نے کہا کہ اس کے معنی ہیں کہ نظر تیری طرف ذلیل و درماندہ ہو کر لوٹ آئے گی۔یعنی جس طرح اونٹ درماندہ ہو جاتا ہے کمزوری اور تھکاوٹ کی وجہ سے جب اسے اٹھایا جائے۔

(۵) **وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا** (ترجمہ:۔اور ہم نے قریب کے آسمانوں پر سجا رکھا ہے) یعنی وہ جو ہم سے قریب ہیں اور وہ جنہیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ **بِمَصَابِيْحَ** (ترجمہ:۔ چراغوں سے) یعنی روشن ستاروں سے اور روشن ستاروں سے مراد صبح کی روشنی ہے۔اور وہ روشنی جو چمکتی ہے لوگوں کے لئے دن میں اور المصباح یعنی السراج وہ شعلہ ہے جو تم قندیل وغیرہ میں دیکھتے ہو۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ کواکب آسمان دنیا کے علاوہ دوسری جگہ نہیں ہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ دوسرے آسمانوں پر بھی ہوں۔اور وہ اس طرح سے نظر آ رہے ہوں کہ گویا وہ سب کے سب آسمان دنیا میں ہوں۔ کیونکہ اجرام سماوی اپنے اوپر نور اور روشنی وغیرہ قسم کی چیزوں کے دیکھے جانے سے مانع نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اجرام سماوی ایک دوسرے پر نور اور روشنی وغیرہ قسم کی چیزوں کے دیکھ جانے سے مانع نہیں ہیں کیونکہ وہ شفاف اجرام ہیں۔اس مسئلہ کے بارے میں اصحاب ہیئت کا کلام دوسرا ہے کیونکہ وہ اس بات پر متفق ہیں کہ تمام ثوابت آٹھویں فلک پر ہیں۔حالانکہ ان کے پاس اس بات کے لئے کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔اور کبھی کبھی یوں بھی کہتے ہیں کہ منطقہ کے قریب ثوابت ان سیارات کی وجہ سے چھپ جاتے ہیں۔پس لازم ہے کہ وہ چھپے ہوئے (منکسف) ثوابت ان سیارات کے اوپر ہوں جو منکشف ہیں۔امام رازی فرماتے ہیں کہ بعض ثوابت کا سیاروں پر ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ تمام ثوابت وہاں ہوں۔

ان کے فائدے بہت زیادہ ہیں جن میں سے ایک فائدہ آسمان دنیا کی زینت ہے اور دوسرا فائدہ رات میں روشنی کا حصول ہے اگرچہ وہ قلیل ہی ہو۔لیکن پھر بھی راستہ دکھلانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔تیسرا فائدہ مختلف موسموں کا حصول ہے۔اور چوتھا فائدہ بر و بحر کی اندھریوں میں چلنے والوں کی رہنمائی کے لئے علامتیں ہیں اور ان ہی فوائد میں سے اللہ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے کہ۔ **وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ** (ترجمہ:۔ہم نے انہیں شیاطین کے مارنے بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے) یعنی ہم نے نجوم کو شیاطین کے لئے اٹکل بجو بنا دیا۔اور یہ کاہن ہیں۔منجم ستاروں سے اپنی باطل آراء کے ذریعہ حوادث کے احکام نکالتے ہیں اور ان کی تحویلات اور ستاروں کی بروج میں گردش کو ان احکام کی علت بتاتے ہیں۔ کیونکہ الرجم لغت میں حقیقت امر پر عدم واقفیت کا نام ہے جیسا کہ زہیر بن ابی سلمٰی نے اپنے معلقہ میں کہا ہے۔

وما الحرب الا ما علمتم وزقتم وما هو عنها بالحدیث المرجم

کلام مرجم کہا جاتا ہے جب وہ غیر یقینی ہو الرجم سے مراد القذف بالغیب والظن ہے (یعنی غیب کی بات ظن و تخمین سے سمجھانا) ابوالعیال الھذلی نے کہا

ان البلاء لدی المقاوس مخرج ما کان من غیب ورجم ظنون

اسی طرح کا کلام ان منجمین کا ہوتا ہے کیونکہ وہ پوشیدہ باتوں کے بارے میں ظن وتخمین کے سوا کچھ نہیں کہتے اور اس بارے میں یقین خالص کی کوئی بات نہیں پیش کرتے۔اس لئے کہ ان کے پیش گوئی کے فیصلے یقین اور ظن اور جھوٹ اور سچ سے مخلوط ہوتے ہیں۔پس ان کا کلام مجموعی طور پر جھوٹ اور ظن بن جاتا ہے۔بیان کیا جاتا ہے کہ علم النجوم حضرت ادریسؑ کا معجزہ تھا۔اور اللہ کی اجازت سے احکام حوادث اخذ کیا کرتے تھے۔جب وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے تو یہ علم بھی آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔پس یہ علم اٹھ گیا۔اس کے بعد کچھ باقی نہیں رہا سوائے ظنون اور اوہام کے۔مفسرین جن میں امام رازی بھی ہیں اس طرف گئے ہیں کہ **الرجم** حقیقت میں سنگساری ہے۔ان کا کہنا ہے کہ شیاطین آسمان کی خبر جاننے کے لئے کان لگایا کرتے تھے۔جب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو آسمان کی حفاظت کر دی گئی۔اور شیاطین کی نگہداشت کی گئی پھر کوئی ان میں سے مشرق کی طرف سن گن لینے آتا تو اس پر شہاب پھینکے جاتے جو اسے جلا دیتے۔یہ اس لئے تاکہ وہ اس خبر کو لے کر زمین کی طرف نہ آئیں اور لوگوں کو نہ بتائیں۔پھر اس پر بہت سے اشکالات لائے ہیں اور ان کے جوابات میں اس نے بڑی مشقت اٹھائی ہے اور کوئی بھی ایسا جواب نہیں پیش کر سکا ہے جس میں کیڑے نہ نکالے جا سکتے ہوں۔اور وہ اس طرف نہیں گئے جو ہمارا نظریہ ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہم نے جو رائے اختیار کی ہے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔**وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ** (ترجمہ:۔اور ہم نے ان کے لئے تیار رکھا ہے) یعنی ہم نے یہ کافر کاہنوں کے لئے مہیا کیا ہے۔**عَذَابَ السَّعِيْرِ** (ترجمہ:۔دہکتی ہوئی آگ کا عذاب) یعنی بھڑکتی آگ کا عذاب۔

(۶)**وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ** (ترجمہ:۔اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا) انسانوں میں سے **عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ** (ترجمہ:۔جہنم کا عذاب ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے) یعنی جدھر وہ لوٹ کے جا رہے ہیں۔

(۷)**اِذَآ اُلْقُوْا** (ترجمہ:۔جب انہیں ڈالا جائے گا) یعنی پھینکے جائیں گے۔**فِيْهَا** (ترجمہ:۔اس کے اندر) یعنی جہنم میں **سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا** (ترجمہ:۔تو وہ اس سے خوفناک آواز سنیں گے) یعنی ناگوار آواز گدھے کی آواز کی طرح۔اس میں سے جوش وابال کی وجہ سے اس جیسی آواز آئے گی۔اور وہ بھڑکے گی۔یہ بھی ممکن ہے مضاف یہاں محذوف ہو یعنی **سمعوا لا هلها شهيقا** یعنی وہ سنیں گے اس میں رہنے والوں کو گدھے کی آوازیں نکالتے ہوئے۔جیسا کہ اللہ نے فرمایا **لهم فيها زفير وشهيق** (ھود ۱۰۶)۔جوہری نے کہا **شهيق الحمار** گدھے کی آواز کا آخری اور **زفير** اس کی پہلی آواز کو کہا جاتا ہے۔اور یہ کہا جاتا ہے کہ **الشهيق** سے مراد ردالنفس ہے سانس کا اندر لینا ہے۔اور **الزفير** اس کا اخراج ہے۔زجاج نے کہا کہ **الزفير** اور **الشهيق** کربناک آوازوں میں سے ہیں اور یہ بھی کہا **الزفير** شدید اور بہت ہی بری کراہ ہے۔اور **الشهيق** شدید اور بہت بلند کراہ ہے۔اور الربیع سے مروی ہے کہ دونوں ہی حلق کی آواز ہیں۔**وَّهِيَ تَفُوْرُ** (ترجمہ:۔اور وہ جوش ماری ہوگی) حالت یہ ہوگی وہ ایسے ابلے گی جیسے دیگ آگ پر ابلتی ہے۔

(۸)**تَكَادُ تَمَيَّزُ** (ترجمہ:۔قریب ہے کہ پھٹ پڑے) یعنی علیحدہ ہو جائے۔**مِنَ الْغَيْظِ** (ترجمہ:۔غصہ سے) کفار پر۔کہا جاتا ہے کہ **يتميز من الغيظ** کے معنی ہیں جب اس میں غضب کا وصف افراط سے ہو۔جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ **سمعوا لها تغيظا وزفيرا** (الفرقان ۱۲) (انہوں نے اسے غصہ ہوتے اور کراہتے سنا)۔**كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ** (ترجمہ:۔جب بھی کوئی

گروہ جہنم کے اندر ڈالا جائے گا) یعنی کافروں کی کوئی جماعت۔ **سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا** (ترجمہ:۔تو اس کے نگران ان سے پوچھیں گے) ڈرانے دھمکانے کے طور پر **اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ** (ترجمہ:۔کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا) یعنی اللہ کی طرف بلانے والا تمہاری ہدایت کی رہنمائی کرنے والی اللہ کی آیات اور آج کے دن ملاقات سے آگاہ کرنے والی آیات سنانے والا'

(۹) **قَالُوْا** (ترجمہ:۔کہیں گے) اعتراف کرتے ہوئے **بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ** (ترجمہ:۔کیوں نہیں ہمارے پاس ڈرانے والا آئے تھے) یعنی اللہ کی طرف بلانے والا۔اس نے ہم کو اس کے احکامات اور منہیات پڑھ کر سنائے ہمیں راہ راست کی رہنمائی کی اور جوابی جملہ میں مبالغہ اعتراف ہے اور اسی لئے نذیر کے لفظ کو دوبار دہرایا اور اس میں ان کی محرومی پر حسرت وندامت ہے۔ **فَكَذَّبْنَا** (ترجمہ:۔لیکن ہم نے جھٹلا دیا) اس ڈرانے والے کو جو اللہ کی طرف بلا رہا تھا اپنے تکبر اور نکار کی وجہ سے اور اب ہم اپنے آباء کے دین کے ساتھ یہاں وارد ہوئے ہیں۔ **وَقُلْنَا** (ترجمہ:۔اور ہم نے کہلایا) اس سے جس نے آیات الٰہی ہمیں سنائی تھیں۔ **مَا نَزَّلَ اللّٰهُ** (ترجمہ:۔اللہ نے نہیں اتارا) ڈرانے والوں میں سے ہم میں سے کسی ایک پر **مِنْ شَيْءٍ** (ترجمہ:۔کچھ بھی) کوئی بھی چیز چہ جائیکہ اسی نے تم پر آیات نازل کی ہوں۔اور من زائدہ ہے تاکید کے لئے **اِنْ اَنْتُمْ** (ترجمہ:۔نہیں ہو تم) اے ڈرانے والو! **اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ** (ترجمہ:۔مگر ایک بڑی گمراہی میں) سیدھے راستے سے دور اور حق سے نکلے ہوئے۔

(۱۰) **وَقَالُوْا** (ترجمہ:۔اور وہ کہیں گے) یعنی دوسری بار اپنی جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے۔ **لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ** (ترجمہ:۔مگر کاش ہم سنتے) وہ چیز جس سے ڈرانے والوں نے ہم سے خطاب کیا تھا جیسا کہ اہل ایمان نے ان کا خطاب سنا تھا **اَوْ نَعْقِلُ** (ترجمہ:۔یا ہم سمجھتے) ان کی ہدایت کے فوائد اور ان کے نتائج کو جیسا کہ اہل ایمان نے سمجھا تھا۔ **مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ** (ترجمہ:۔تو ہم دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے) یعنی اہل النار کی فہرست میں نہ آتے زجاج نے کہا **لو كنا نسمع** سے مراد ہے کہ ایسا سننا کہ جسے سن کر محفوظ کر لیا جائے۔ **او نعقل** سے مراد ایسا سمجھنا کہ تمیز بھی کی جا سکے

(۱۱) **فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ** (ترجمہ:۔غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے۔) یعنی وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے جس نے انہیں عذاب دوزخ کا مستحق بنا دیا تھا وہ ان کا اللہ کی آیات اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے ساتھ کفر ہے جس نے انہیں اللہ کی رحمت سے دور کر دیا۔سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ **سحق** جہنم کی وادی ہے۔اور **السحق** کی حاء پر پیش ہے اور اس پر سکون کے معنی ہیں بُعد یعنی دوری جیسے کہ عُسر وعُشر کی طرح سحیق کے معنی ہیں بعید۔ابن بری نے کہا **سحیق** اور **اسحق** کے معنی ایک ہی ہیں۔ابو النجم کہتے ہیں **خناذیذ البعید الاسحق** بہت دور بہت طویل اور سخت چٹانیں اور دعا میں **سحقاله** ہوتا ہے۔اسے نصب (زبر) دیا گیا اس میں فعل کے اضمار کی وجہ سے۔الازہری نے کہا کہ یہ اہل حجاز کی لغت ہے۔ زجاج نے کہا **سحقاً** منصوب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے یعنی **اسحقه الله سحقاً**۔فراء نے کہا کہ وہ سب **سحقاً** کے تخفیف ہونے پر مجتمع ہیں اور اگر **سحقاً** حاء پر پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ درست لغت ہوگی۔میں کہتا ہوں کہ لغت حسنہ وہی ہے جس پر قراء حضرات کا اجتماع ہوا ہے اور ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ **اسحاقاً** ہو لیکن مصدر کو حذف مضاف کے طور پر لایا گیا۔ابو حیان کہتے

ہیں کہ حذف کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا فعل ثلاثی آتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

یجول باطراف البلاء مغرّ با وتستحقه ریح الصبا کل مستحق

لفظ ذنب کو واحد لاکر جمع کی طرف اضافت کی گئی ہے اس لئے کہ اس میں تین فعل کے معنی ہیں جس کی وجہ سے واحد لفظ جمع کی طرف سے ادا کر دیا گیا جیسے کہا جاتا ہے **خرج عطاء الناس** اور **اعطیة الناس**۔ اور **اصحاب السعیر** میں لام بیان کے لئے ہے جیسا کہ "**هیت لک**" میں ہے۔

(۱۲) **اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ** (ترجمہ:۔ بلا شبہ وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے غیب میں رہ کر ڈرتے ہیں) فاعل یا مفعول کا حال ہے یعنی **غائبین عنه یا غائبا عنهم** اور معنی ہیں کہ بلا شبہ وہ اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو لوگوں کے آنکھوں سے غائب ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا وہ لوگ ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے اسے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے حق یہ ہے اس آیت کا مفہوم عام ہے اور ہر اس آدمی کو شامل ہے جو اپنے رب سے غیب میں ڈرتا ہے۔ **لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ** (ترجمہ:۔ ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے) اور وہ جنت ہے۔

(۱۳) **وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ** (ترجمہ:۔ اور تم چپکے چپکے بات کرو یا بلند آواز سے) یہ جملہ مستانفہ ہے اور مخاطب کفار ہیں۔ **اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** (ترجمہ:۔ وہ بے شک دلوں کی باتوں سے واقف ہے) **الصدور** میں لام استغراق کا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ تمام کلیات اور جزیات سے واقف ہے۔

(۱۴) **اَلَا یَعْلَمُ** (ترجمہ:۔ کیا وہ نہیں جانتا) استفہام انکاری ہے **مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ** (ترجمہ:۔ جسے اس نے پیدا کیا اور وہی لطیف وخبیر ہے) پس اس پر کوئی شئی پوشیدہ نہیں ہے۔

(۱۵) **هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا** (اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تابع بنایا ہے) اور **الذلول** اصل میں **المنقاد** ہے۔ یعنی تابعدار ہے ہر اس کام کے لئے جو تم اس پر کرنے کا ارادہ کرتے ہو یعنی کھیتی باڑی، باغ وغیرہ۔ **فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا** (ترجمہ:۔ پس اس کے راستوں پر چلو پھرو) **المنکب من الارض** سے مراد ہے موضوع مرتفع (بلند جگہ) ابن سیدہ نے کہا **مناکب الارض** کے معنی ہیں اس کے پہاڑ۔ اور کہا گیا اس کے راستے۔ فراء نے کہا اس سے مراد اس کے جوانب ہیں زجاج نے کہا اس کے معنی ہیں اس کے پہاڑ اور الازہری نے کہا جس نے اس کے معنی پہاڑ بتائے ہیں تو وہ تفسیر کے مشابہ ہے۔ اس لئے کہ آیت **هو الذی جعل لکم الارض ذلولا** کے معنی ہیں اس میں چلنا پھرنا تمہارے لئے آسان بنا دیا۔ پس ممکن ہے کہ اس کے معنی ہوں پہاڑوں میں چلنا پھرنا۔ اور یہ اطاعت گذاری میں تذلیل کی زیادہ بلیغ تفسیر ہے۔ **وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ** (ترجمہ:۔ اور اس کے رزق میں سے کھاؤ) یعنی اللہ نے کھیتوں اور پھلوں میں سے جو تمہیں رزق عطا کیا تھا۔ **وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ** (ترجمہ:۔ اور اسی کی طرف اٹھ کر واپس جانا ہے) قبروں میں سے اور یوم الجمع میں جمع ہونا ہے۔

(۱۶) **ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ** (ترجمہ:۔ کیا تم محفوظ ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے) یعنی کیا تم مطمئن ہو گئے ہو۔ اس

میں تہدید بلیغ ہے۔یعنی ڈانٹ ڈپٹ ہے اور ''من فی السماء'' سے مراد الملائکة الموکلین ہیں جو تدبیر عالم کررہے ہیں جیسا کہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔فالمدبرات امراً (یعنی عالم کا معاملہ) اور یہ آیت اللہ کے لئے اثبات مکان پر استدلالات المشبہہ' میں سے ہے اور اہل سنۃ نہ کہا من فی السمٰوات سے مراد الملائکة ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور کہا جاتا ہے کہ حکم الٰہی آسمان سے جبرئیل کے واسطے سے اتارا جاتا ہے۔اور جمہور نے أامنتم دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے۔اور بالتخفیف بھی پڑھا گیا ہے۔ **اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ** (ترجمہ:۔کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دیا ہے) جیسے کہ قارون کو دھنسا دیا گیا تھا۔اس کے کفر میں بڑھنے اور استکبار میں سرکشی کی وجہ سے۔ **فَاِذَا ھِیَ** (ترجمہ:۔پس وہ اچانک) یعنی زمین۔ **تَمُوْرُ** (ترجمہ:۔ ہلنے لگی) یعنی حرکت کرنے لگے حالت سکون اور اطمینان کے برخلاف جس پر عموماً ہوتی ہے اور تمہارے ساتھ حرکت اور اضطراب میں آجائے۔اور مارا یمور موراً یعنی تحرک۔الأعشی نے کہا ہے

کان مشیتها من بیت جارتها مور السحابه لا ریث و لا عجل

اور اس سے مراد تحرک ہے۔اپنی پڑوسن کے گھر سے نکلتے ہوئے اس کی چال ایسی تھی جیسے کہ بادل کی حرکت نہ سستی اور نہ عجلت)

(۱۷) **اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا** (ترجمہ:۔یا تم محفوظ ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر سنگبار بگولے نہیں بھیجے گا) یعنی حجارة من سجیل اور کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں ایسی ہوا آندھی جو چھوٹی بڑی کنکریوں کو اپنی قوت سے اکھیڑ دیتی ہے۔اور حدیث علیؓ میں ہے آپؐ نے خوارج سے کہا تم پر حاصب نازل ہوگا یعنی عذاب الٰہی **فَسَتَعْلَمُوْنَ** (ترجمہ:۔پس عنقریب تم جان لوگے) جب ان پر عذاب نازل ہوگا۔ **کَیْفَ نَذِیْرِ** (ترجمہ:۔کیسا ہے میرا ڈرانا) یعنی میرا عذاب سے ڈرانا۔ نذیر بمعنی انداز ہے جیسا کہ حسان بن ثابتؓ نے کہا۔

فانذر مثلها نصحاً قریشاً من الرحمان ان قبلت نذیری

یعنی انذاری میرا ڈرانا ورش نے نذیر کے لفظ میں یا کو باقی رکھتے ہوئے نذیری پڑھا ہے۔

(۱۸) **وَلَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ** (ترجمہ:۔اور بلاشبہ جو ان سے پہلے تھے وہ جھٹلا چکے ہیں) یعنی کفار مکہ میں سے قوم نوح وعاد وثمود وغیرہم کی طرح۔ **فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ** (ترجمہ:۔کیسا رہا میرا عذاب) اور نکیر اسم ہے انکار کے لئے نذیر کی طرح جو کہ انذار کے لئے اسم ہے اسی معنی میں عباس بن مرداس کا شعر ہے۔

وتضربه الولیدة بالهراوی فلا غیر لدیه ولانکیر

تضربه میں ضمیر جمل کی طرف لوٹتی ہے هراوی جمع ہے هراوته کی یعنی عصا' غیر جمع ہے غیرة کی اور نکیر سے مراد انکار ہے اور معنی ہیں ان کے انکار کرنے کے لئے کیا رہا کہ میں نے ان پر عذاب شدید نازل کیا جس نے ان کی جڑیں کاٹ دیں۔

(۱۹) **اَوَلَمْ یَرَوْا** (ترجمہ:۔کیا انہوں نے نہیں دیکھے) ھمزہ استفہام کے لئے ہے اور واؤ مقدر پر عطف کے لئے ہے جس کی تقدیر یہ ہے کہ وہ غافل رہے اور انہوں نے نہیں دیکھا **اِلَی الطَّیْرِ** (ترجمہ:۔پرندوں کو) ابن الانباری نے کہا الطیر گروہ کے لئے

ہے ان کی مونث ان کے مذکر سے زائد ہے۔ **فَوْقَهُمْ** (ترجمہ:۔اوپر) ہوا میں۔ **صٰٓفّٰتٍ** (ترجمہ:۔پر پھیلائے ہوئے) یہ حال ہے یعنی اپنے پروں کو ہوا میں پھیلائے ہوئے اور انہیں کشادہ کئے ہوئے فضا میں اُڑتے وقت۔ **وَّيَقْبِضْنَ** (ترجمہ:۔اور سمیٹتے ہیں) اپنے پروں کو پرواز سے وقوف کے موقع پر **مَا يُمْسِكُهُنَّ** (ترجمہ:۔انہیں کوئی نہیں تھامے رہتا) ہوا میں گرنے سے اس لئے کہ بھاری چیزیں نیچے کی طرف گرنے کا میلان رکھتے ہیں۔ **اِلَّا الرَّحْمٰنُ** (ترجمہ:۔مگر رحمٰن) جو بھاری چیزوں کو ہوا میں گرنے سے روکنے پر قادر ہے اور یہی افلاک وکواکب کا حال ہے۔ **اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ م بَصِيْرٌ** (ترجمہ:۔وہ ہر شئے کا دیکھنے والا ہے) اس کی تدبیر اس پر پوشیدہ نہیں۔

(۲۰) **اَمَّنْ** (ترجمہ:۔کون ہے یہ) استفہام، تقریع وتہویل (دھمکانے اور ڈرانے) کے لئے ہے۔ **هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ** (جو تمہارے لئے لشکر ہے) الجند معنی الحزب یعنی مراد ہے مددگار وحمایتی۔ **يَنْصُرُكُمْ** (ترجمہ:۔تمہارے مدد کرے گا) یعنی اللہ کے عذاب سے تمہیں باز رکھے یا تمہاری ضروریات میں تمہاری مدد کرے۔ جمہور نے امن تشدید سے پڑھا ہے اور اس کا اصل ام من اور اس کے معنی ہیں ''بلکہ'' لیکن طلحہ نے امن میم کی تخفیف سے پڑھا ہے۔ **مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ** (ترجمہ:۔الرحمٰن کے سوا) یعنی اللہ کے سوا کسی بھی شئے سے باز رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ **اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ** (ترجمہ:۔کافر صرف دھوکے میں ہیں) یعنی دھوکے اور گمراہی میں۔ ضمر، مُظهر کو مُضمر کی جگہ لایا گیا ہے ہدایت سے اعراض اور کفر کی وجہ سے ان کی مذمت کے اظہار کے طور پر۔

(۲۱) **اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ** (ترجمہ:۔کون ہے جو تمہیں رزق دے) اپنے فضل وکرم سے **اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ** (ترجمہ:۔اگر وہ اپنا رزق روک لے) یعنی اپنے رزق کے اسباب جیسے کہ بارش اور دیگر مبادیات۔ یہاں جواب شرط محذوف ہے۔ اور وہ ہے من یرزقکم. **بَلْ لَّجُّوْا** (ترجمہ:۔بلکہ وہ مصر رہے) اللجاج کسی معاملہ میں گھس پڑنا کثرۃ صوارف کے ساتھ (بار بار) اسی سے کہا جاتا ہے لج فی الامر اصرار کرنا اور اس سے پلٹنے کا انکار کرنا۔ **فِيْ عُتُوٍّ** (ترجمہ:۔سرکشی میں) یعنی عناد اور استکبار میں اور یہ دنیا پر ان کی لالچ کی وجہ سے تھا اور یہ قوۃ عملیہ میں فساد کا اشارہ ہے۔ **وَّنُفُوْرٍ** (ترجمہ:۔اور نفرت دور کرنے میں) یعنی حق سے نافرمانی کرتے ہوئے اور یہ قوۃ نظریہ کے فساد کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۲۲) **اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** (ترجمہ:۔کیا وہ جو سر اوندھا کئے چلتا ہے زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا چلتا ہوا ہموار راستہ پر) یہ مثال مشرک اور موحد کے لئے پیش کی گئی ہے اور ''فا'' ترتیب کے لئے ہے ''مکبا علی وجهه'' کے معنی ہیں وہ نہ سامنے دیکھتا ہو نہ سیدھی جانب اور نہ بائیں جانب اور وہ کہتے ہیں ''فلان اکبّ علی وجهه فهو مکبّ'' علامہ طبری نے کہا اس کا یہ فعل غیر واقع ہے۔ پس جب وہ واقع ہو تو اس سے الف حذف کر دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کببت فلانا علی وجهه وکبّه الله علی وجهه۔ اس کے برخلاف زمخشری نے اپنی تفسیر میں کہا کہ اکبّ تابع ہو جاتا ہے کبه کے کببة بھی کہا جاتا ہے پس اکبّ غرائب وشواذ میں سے ہے۔ اسی طرح فشعت

الريح السحاب فاقشع بھی ہے حالانکہ وہ اس طرح نہیں۔ فعل افعل کی بنا میں سے کوئی بھی مطاوعا کے وزن پر نہیں آتا۔ اور نہ ہی تیقن کے وزن پر سوائے سیبویہ کی کتابوں کے اکبّ کا لفظ انقض اور اَلاُم کے باب میں سے ہے۔ اس کے معنی ہیں **دخل فی الکب وصار ذاکب** وہ مصیبت میں داخل ہوگیا۔ وہ مصیبت والا ہوگیا۔ اسی طرح **افشع السحاب** کے معنی ہیں **دخل فی انقشع مطاوع کبّ وقشع الکب** اور **انقشع** کے معنی منتشر ہونا فرمانبردار ہونا ہے۔ ابوحیان اندلسی نے کہا ہے کہ یہ سیبویہ کی کتابوں پر بہت زیادہ فخر کرنے والا ہے کہ سیبویہ کی کتابوں میں کئی نصوص ہیں جہاں زمخشری کی بصارت وبصیرت کام نہ آسکی یہاں تک کہ امام ابوالحجاج یوسف بن معزوز نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں زمخشری کی غلطیوں کو اور سیبویہ کتاب کو سمجھنے میں اس کی جہالت کو بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ زمخشری کے نظریہ پر یہ جواب نہیں ہے بلکہ یہ کلام اس کے بغض وعناد کی دلالت کرتا ہے۔ اور **غضب الجاهل البليد على العالم المفيد** کے ضمن میں سے ہے۔ اور میرے نزدیک حق وہی ہے جس کی صاحب الکشاف نے تحقیق کی ہے۔ اور "**اهدى هدى**" سے **افعل التفضيل** ہے۔ اور اس میں **هدى** پر کوئی اضافی نہیں ہے بلکہ یہ بمعنی **الهادى** ہے۔ اور اسے **افعل التفضيل** کے صیغہ میں لایا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ **العسل حلى من النحل** (شہد سرکے سے زیادہ میٹھا ہوتا ہے) اور ظاہر ہے کہ جو بھی ہموار راستہ پر چلے گا وہ مطلوب کو پالے گا۔ پس یہی شخص زیادہ ہدایت یافتہ ہے اس آدمی کے مقابلہ میں جو کجی والے راستے پر چلتا ہو جس میں نشیب وفراز بھی ہوں کیونکہ وہ ہر قدم پر ٹھوکر کھائے گا اور منہ کے بل گرے گا تو اس کا حال اس شخص سے زیادہ برا ہوگا پس وہ اس اندھے کی طرح ہے جو جہت مقصودہ کی طرف راہ نہیں پائے گا۔ مضطرب ہوجائے گا اس کے قدم لڑکھڑائیں گے۔ اور وہ گر جائے گا۔ پس یہی مثال کافر اور مومن کی ہے۔

(۲۳) **قُلْ** (ترجمہ:۔ کہدو) یا محمد ﷺ بلاشبہ وہ جس نے زمین کو پیدا کیا اور اسے تمہارے لئے آسان کردیا اور اس میں تمہیں دھنسایا نہیں۔ اور تمہاری سرکشی وگمراہی کے باوجود اس نے پاکیزہ رزق فراہم کیا۔ **هُوَ الَّذِىْ اَنْشَاَكُمْ** (ترجمہ:۔ یہ وہی ہے جس نے تمہیں پروان چڑھایا) یعنی بغیر مادہ کے تمہیں پیدا کیا جیسا کہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اسے بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ **وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ** (ترجمہ:۔ اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے) یعنی یہ تین قوی تمہیں عطا کئے۔ باوجود یکہ اس میں انتہائی شریف قویٰ ہے لیکن تم نے انہیں ضائع کردیا اور انہیں بیکار کردیا نہ تو تم کلمہ الحق سنتے ہو اور نہ ہی آیات الٰہی اور اس کے معجزات کو دیکھتے ہو اور نہ ہی کتب الٰہیہ پر غور وفکر کرتے ہو۔ پس تم نے یہ قوی پورے پورے خراب کردئے۔ **قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ** (ترجمہ: تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو) کیونکہ ان قوی کو ان کی جگہ استعمال نہیں کرتے ہو۔

(۲۴) **قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ** (ترجمہ:۔ کہدو کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں بکھیر دیا) اور تمہیں پیدا کیا اور زمین پر تمہاری کثرت کردی۔ **وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ** (ترجمہ:۔ اور اسی کی طرف تمہیں جمع کیا جائے گا۔) قیامت کے دن تاکہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

(۲۵) **وَيَقُوْلُوْنَ** (ترجمہ:۔ اور وہ کہتے ہیں) اپنی جہالت اور گمراہی میں۔ **مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** (ترجمہ:۔ کب پورا ہوگا

یہ وعدہ) یعنی وعدہ حشر ونشر اور ثواب وسزا۔ **اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ** (ترجمہ:۔ اگر تم سچے ہو) اپنے وعدے اور وعید میں۔ کفار یہ نبی ﷺ اور مومنین سے عناد اور دل آزاری کی خاطر کہا کرتے تھے اور جواب شرط محذوف ہے یعنی **ان کنتم صادقون واخبارکم فبیّنوا وقته.**

(۲۶) **قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔ کہدو اس کا علم اللہ کے پاس ہے) اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اللہ کا ایسا ہی ایک ارشاد اور بھی ہے **انما علمها عند ربی** (الاعراف ۱۸۷)۔ **وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ** (ترجمہ:۔ اور میں تو صرف واضح ڈرانے والا ہوں) مجھے صرف ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

(۲۷) **فَلَمَّا رَاَوۡهُ** (ترجمہ:۔ جب وہ اسے دیکھیں گے) یعنی عذاب آخرت۔ **زُلۡفَةً** (ترجمہ:۔ عنقریب) یعنی قریب ہی' **عیاناً** بھی کہا جاتا ہے (یعنی روبرو) یہ مصدر بمعنی فاعل ہے یعنی **مزدلفا** یا یہ **راؤہ** میں مفعول کا حال ہے۔ یا یہ **ذازلفة** ہے (یعنی قریب والا) **سِيۡٓـئَتۡ** (ترجمہ:۔ بدنما ہو جائیں گے) زجاج نے کہا اس میں **السوء** واضح ہو جائیگا۔ السوء کی اصل **القبح** ہے۔ کہا جاتا ہے **ساء الشئی اذاقبح** اور یہ فعل لازم ہے یعنی **قبحت وجوه الذین کفروا** (جو کافر تھے ان کے چہرے قبیح ہو گئے) ابن عباسؓ نے کہا **سئیت** کے معنی ہیں **اسودت** (کالے پڑ گئے) اور جمہور نے **سیئت** کو زیر سے پڑھا ہے بغیر اشمام کے۔ (اشمام: قاریوں اور نحویوں کے نزدیک ہونٹ کے ساتھ بغیر آواز نکالے حرکت کی طرف اشارہ کرنا) اور اشمام دیا ہے پیش کے ساتھ ابو جعفرؒ ابن عامرؒ نافع اور کسائی نے۔ **وُجُوۡهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا** (ترجمہ:۔ کافروں کے چہرے) دل شکستگی سے یعنی غم ان پر چھا جائے گا اور ناامیدی ان پر مسلط ہو جائے گی اور ان کے تیور چڑھ جائیں گی۔ یا ان کے چہرے ان کی طرح ہو جائیں گے۔ جنہیں مقتل کی طرف گھسیٹا جا رہا ہو۔ بلکہ محشر میں ان کی موجودگی اور بھی زیادہ شدید ہوگی۔ یہاں موصول کو ضمیر کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے۔ ان کی مذمت وحالت کی برائی بیان کرنے کے لئے۔ **وَقِيۡلَ** (ترجمہ:۔ اور کہا جائے گا) تہدید وتہویل کے طور پر ڈانٹنے اور ڈرانے کے لئے **هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَدَّعُوۡنَ** (ترجمہ: یہ وہ ہے جسے تم پکار رہے تھے) کہا جاتا ہے کہ **ادعیت الشئی** یعنی اسے گمان کیا کہ حق تھا یا ناحق۔ ابو عمرو نے **تدعون** کو **ثقیل** پڑھا ہے۔ اور حسن نے اس کی تفسیر کی ہے "**تکذبون**" اور یہ اس قول سے لیا گیا۔ **تدعی الباطل و تدعی مالا یکون** اور اس کے معنی ہیں کہ وہ شئے جس کی وجہ سے تم باطل اور جھوٹے دعویٰ کیا کرتے ہیں۔ فراء نے کہا کہ **تدعون** کے معنی **تدعون** بھی جائز ہو سکتے ہیں جس نے اسے **تدعون** تخفیف سے پڑھا پس وہ **دعا یدعوا** پڑھا اور معنی ہیں یہ ہے وہ جس کی تم عجلت کر رہے تھے اور اللہ سے دعا کر رہے تھے عجلت کے ساتھ۔ یعنی ان کا یہ قول تھا اے رب اگر یہ سچ ہے تیری طرف سے تو آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش کر دے۔ اور کہا یہ بھی جائز ہو سکتا ہے کہ **تدعون دعا** سے **تفتعلون** کے وزن پر ہو اور یہ **دعوی** سے بھی ہوتا ہے۔ کہا گیا کہ **تدعون** ' **تدّعون تدخرون** اور **تدّخرون** کا معنی ایک ہی ہے بعض نے کہا کہ یہ استفہام بھی ہو سکتا ہے بطور انکار کے یعنی **أهذا لذی کنتم تدعون لابل کنتم تدعون عدمه** اور قراء سبعہ نے اسے **الادّعا** سے **تدّعون** پڑھا ہے اور باقیوں نے **تدّعون دعاء** سے پڑھا۔ مجاہد نے کہا موعود عذاب یوم بدر تھا اور یہ ضعیف ہے کیونکہ سیاق کلام سے یہ مراد دلالت نہیں کرتی بلکہ یوم قیامت پر دلالت کرتی ہے۔

(۲۸) **قُلْ اَرَءَيْتُمْ** (ترجمہ:۔ کہدو بتلاؤ) یعنی مجھے مطلع کرو۔ **اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ** (ترجمہ:۔ اگر اللہ مجھے ہلاک کردے) موت کے ذریعہ اور **وَمَنْ مَّعِيَ** (ترجمہ:۔ جو میرے ساتھ ہے) اہل ایمان میں سے **اَوْ رَحِمَنَا** (ترجمہ:۔ یا ہم پر رحم کرے) ہماری اجلوں کی تاخیر کے ذریعہ۔ **فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ** (ترجمہ:۔ تو کافروں کو کون بچائے گا) مُظہر کو مضمر کی جگہ استعمال کیا گیا ہے ان کے کفر کی مذمت کے لئے۔ **مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ** (ترجمہ:۔ دردناک عذاب سے) یعنی المناک اور معنی ہیں کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ اہل ایمان کو موت دیدے یا تاخیر اجل سے رحم کرے کیا تو تمہیں اس کا کیا فائدہ ہوگا اور تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کون ہے جب وہ تم پر عذاب نازل کرے گا۔ افسوس کہ تم نے گمان کیا کہ تمہارے معبود جو کہ اصنام ہیں وہ تمہیں بچائیں گے۔ اور اللہ کے پاس تمہاری مدد کریں گے۔ پس یہ تمہارے باطل وسوسے ہیں۔

(۲۹) **قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ** (ترجمہ:۔ کہدو وہ تو رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں) یعنی ہم نے اس کی توحید کی تصدیق کی ہے۔ **وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا** (ترجمہ:۔ اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے) اس کے سوا کسی اور پر نہیں اس لئے کہ ہر شئے میں موثر اللہ تعالیٰ ہے۔ اشیاء میں جو کچھ اس کے سوا ہے وہ ممکن ہے اور ممکن اپنی ذات وصفات میں موثر کا محتاج ہے۔ اور موثر وہی واجب لذاتہ وصفاتہ ہے پس اس اعتبار سے اس کے علاوہ کسی اور پر توکل کرنا جائز نہیں ہے۔ **فَسَتَعْلَمُوْنَ** (ترجمہ:۔ جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا) یوم القیامت۔ **مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** (ترجمہ:۔ کھلی ہوئی گمراہی میں کون ہے) یعنی صریحی کفر میں۔ کسائی نے **فستعلمون** کو یائے غیبۃ کے ساتھ پڑھا ہے اللہ کے قول **فمن يجير الكافرين** کے مدنظر

(۳۰) **قُلْ اَرَءَيْتُمْ** (ترجمہ:۔ کہدو بتاؤ) یعنی مجھے خبر دو۔ **اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ** (ترجمہ:۔ اگر کھو جائے تمہارا پانی) جو تمہارے استعمال میں ہے۔ **غَوْرًا** (ترجمہ:۔ بہت گہرا) غور کے معنی ہیں ہر چیز کی گہرائی۔ وعاء الماء وغوراً اور غورا اور غوّر کے معنی ہیں پانی زمین میں چلا گیا اور نیچے ہوگیا۔ یہاں پر مصدر استعمال کیا گیا ہے محض مبالغہ کے لئے جب کہا جاتا ہے ماء سكب ودرهم ضرب اور معنی ہیں پانی اگر زمین کی گہرائی میں چلا جائے اور اس تک ڈول نہ پہنچے۔ **فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ** (ترجمہ:۔ آسانی سے حاصل ہونے والا بہتا پانی کون فراہم کرے گا) قتادہ نے کہا معین کے معنی بہتا ہوا۔ فراء نے کہا معين الماء الظاهر الجارى (ظاہر بہتا پانی) اور یہ بھی کہا کہ تم معین کو عیون سے مفعول بنالو یاماعون سے اس کی اصل معن ہوگی اور کہا جاتا ہے المعين کے معنی الماء العذب الغزير ہے یعنی وافر میٹھا پانی۔ اور یہ سب سہولت سے ہے۔ کیونکہ المعن کے معنی ہیں الشئى السهل الهيّن۔ اور کہا جاتا ہے السہل کے معنی الیسیر۔ النمر بن تولب نے کہا

ولا ضيعته فالآم فيه فان ضياع مالک غير معن

یعنی غیر یسیر ولا سهل